حسین و حسینیت

جاوید اکبر انصاری

نظامِ زندگی علمی و روحانی پیش رفت کے ذریعے غالب نہیں آتے، وہ جہاد و قتال کے ذریعے غالب آتے ہیں (جیسا کہ فتح مکہ کے بعد اسلام کے غلبے کا راستہ ہموار ہوا اور لوگ جوق در جوق داخلِ اسلام ہوئے) کیوں کہ جہاد و قتال وہ مفتوحہ علاقے فراہم کرتے ہیں جہاں نیا غالب نظامِ زندگی بتدریج مرتب کیا جاسکے۔ (اور یہ بات تقریباً دنیا کے ہر نظامِ زندگی کے غلبے کی کہانی سے ثابت ہوتی ہے)۔ یہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور سے لے کر سلطان معظم خلیفہ عبدالمجید ثانی کے دور تک اسلامی ریاستیں مسلسل جہاد کرتی رہیں اور انھی عسکری فتوحات نے ترتیبِ فقہ اور کلام، اصول اور تصوف کے مواقع فراہم کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرایا اور غزوات کا آغاز سن ایک ہجری میں شروع کر دیا تھا جبکہ اسلامی علوم کی تدوین کئی سال بعد ممکن ہو سکی۔

جہاد کی اس ناگزیر اولیت کے شعور واحساس نے حضرتِ عبداللہ ابن زبیر و سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو یزید کے خلاف خروجِ عمومی برپا کرنے کے لیے تیار کیا۔ یہ حضرات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ملوکیت کے نتیجے میں اگر ایک سیکولر مملکت قائم اور مستحکم ہو گی تو ایرانی اور بازنطینی نظامِ زندگی بے دخل نہ کیا جاسکے گا اور اسلامی نظامِ زندگی کا تحفظ اور غلبہ ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا

باندھ کر سر سے کفن ہاتھ میں لے کر تلوار
ساتھ میں اپنے لیے صرف بہتر انصار
دشتِ پُر ہول میں گھر بار لٹا کر اپنا
عصمتِ دیں کے لیے سر بھی کٹا کر اپنا

اپنے کردار میں قرآن کے معنی ٹھہرے
دینِ حق کے وہی بانیِ ثانی ٹھہرے

امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سچے پیروکار اور مرید تھے (اپنے ایک صاحبزادے کا نام بھی ابو بکر رکھا)۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی جہاد اور قتال کی اولیت کو تسلیم کیا، اسی لیے خلیفہ بنتے ہی جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ روانہ فرمایا اور اپنے مبارک دورِ حکومت میں مستقل جہاد کرتے رہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی تمام اسلامی قوتیں جہاد کی ضرورت کو تسلیم کر کے ملک میں جاری تمام روحانی، علمی، اصلاحی اور فکری کام کو عملِ جہاد سے مربوط اور منسلک کریں۔